تحریفِ قرآن کی حقیقت

قسط(۳)

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ابو القاسم الخوئی

{تحریف قرآن کی حقیقت" حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ ابو القاسم خوئی کی محققانہ تحریر ہے اسکی دو قسطیں المیزان کے شمارہ ۷، ۸ اور ۹ میں طبع ہو چکی ہیں بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر شمارہ ۱۰، ۱۱ میں ہم اس کی اگلی قسطیں نہ دے سکے۔ اب موجودہ شمارہ میں عدم تحریف قرآن کی باقی دلیلیں آپ پڑھیں گے۔ "ادارہ"}

خلفاء پر تحریف کا الزام

۵. عدم تحریف کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ تحریف کے قائل، رسول اکرم (ص) کے بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر پر تحریف کا الزام عائد کر سکتے ہیں یا حضرت عثمان پر یا کسی اور حکمران پر یہ الزام عائد کر سکتے ہیں لیکن یہ تینوں دعوے باطل ہیں۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی طرف سے تحریف اس لئے نہیں ہو سکتی کہ:

(i) تحریف جان بوجھ کر نہیں بلکہ غیر اختیاری طور پر اور مکمل قرآن تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہو گی اس لئے کہ اس سے پہلے قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا۔ یا انہوں نے عمداً تحریف کی ہو گی۔

(ii) عمداً تحریف کی صورت میں تحریف شدہ آیات انکی حکومت سے متعلق ہوں گی۔

یا

(iii) ایسی آیات میں تحریف ہوئی ہوگی جن کا ان کی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

یہ تینوں احتمالات باطل ہیں۔

ا. مکمل قرآن تک ان کی دست رسی نہ ہونے کا احتمال بالکل بے بنیاد اور باطل ہے. کیونکہ پیغمبر اسلام (ص) کا قرآن حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کرنے کا حکم دینے اور آپ (ص) کے زمانے میں اور آپ (ص) کی وفات کے بعد صحابہ کرام کا قرآن کو حد سے زیادہ اہمیت دینے سے ہم قطعی طور پر اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ صحابہ کرام کے پاس قرآن جمع شدہ یا متفرق طور پر، سینوں میں یا کاغذات میں، ضرور محفوظ ہوگا۔

وہ صحابہ کرام جنہوں نے زمانہ جاہلیت کے اشعار اور خطبات کی حفاظت و نگہداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، اس کلام پاک کی حفاظت میں کیسے کوتاہی کرتے جس کی راہ میں انہوں نے اپنی جان تک کی بازی لگادی، وطن سے جلاوطن ہونا گوارا کیا، بیوی بچوں کی جدائی برداشت کی اور اسی قرآن کی راہ میں ان کٹھن اور طاقت فرسا مراحل سے گزرے جن سے انہوں نے تاریخ کو سرخ کردیا۔

اس کے باوجود کوئی عاقل یہ احتمال دے سکتا ہے کہ ان حضرات نے قرآن کی حفاظت میں معمولی سی بھی غفلت اور کوتاہی کی ہوگی جس سے قرآن ضائع ہوگیا اور اس کے ثبوت کے لئے دو عادل گواہوں کی ضرورت پڑی ہو؟

عقلی اور تاریخی اعتبار سے جس طرح قرآن میں اضافہ ہونا قابل قبول نہیں اسی طرح یہ احتمال بھی قابل قبول نہیں۔

اس کے علاوہ حدیث ثقلین بھی اس احتمال کے بطلان پر دلالت کرتی ہے. اگر آپ (ص) کے زمانے میں قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا ہوتا تو "انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتی" کہنا درست نہ ہوتا. کیونکہ اس صورت میں سارا نہیں بلکہ کچھ قرآن چھوڑا جارہا ہوتا۔

بعض روایات میں تو اس بات کی تصریح موجود ہے کہ رسول اسلام (ص) کے زمانے میں ہی قرآن کی مکمل تدوین اور جمع آوری ہوچکی تھی. کیونکہ کسی موضوع سے متعلق متفرق یا سینوں میں محفوظ مطالب کو کتاب نہیں کہا جاسکتا اور ہم آئندہ صفحات میں یہ بحث کریں گے کہ آپ (ص) کے زمانے میں قرآن کی جمع آوری کی سعادت کس نے حاصل کی۔

اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ آنحضرت کے زمانے میں مسلمانوں نے جمع قرآن کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا تو

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے حفظ اور تلاوت کو اتنی اہمیت دینے کے باوجود اس کی جمع آوری کو آپ (ص) نے اتنی اہمیت کیوں نہ دی جس کی وجہ سے وہ ضائع نہ ہو جائے؟

کیا آپ (ص) اس غفلت و کوتاہی کے نتائج سے آگاہ نہ تھے؟

یا وسائل کے فقدان کی وجہ سے قرآن کی جمع آوری پر قادر نہیں تھے؟

۲. دوسرا یہ احتمال کہ شیخین نے عمداً ان آیات میں تحریف کی ہو جن کا ان کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا، بذات خود بعید ہے اس لئے کہ اس قسم کی تحریف سے ان کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہو سکتی. عملی اعتبار سے یقیناً ان سے اس قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی۔

وہ اس طرح کی تحریف کیسے کر سکتے تھے، جبکہ خلافت کی بنیاد ہی سیاست اور دینی معاملات کو اہمیت دینے پر قائم تھی۔ اگر ان سے تحریف ہوئی ہے تو ان کی بیعت سے انکار کرنے والوں نے اپنے احتجاج میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ سعد بن عبادہ اور اس کے ساتھیوں نے اعتراض کے طور پر اس کا ذکر کیوں نہیں کیا اور حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے خطبہ شقشقیہ اور دیگر خطبات میں جہاں ان کی خامیاں بیان فرمائی ہیں، تحریف قرآن کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

یہ دعویٰ بھی ناممکن اور نامعقول ہے کہ تحریف کی وجہ سے مسلمانوں نے شیخین پر اعتراض تو کیا ہو لیکن اس کی خبر ہم تک نہ پہنچی ہو۔

۳. تیسرا یہ احتمال کہ عمداً ان آیات میں تحریف کی ہو جن کا تعلق ان کی حکومت سے تھا، یہ تحریف بھی یقیناً واقع نہیں ہوئی کیونکہ امیر المومنینؑ، آپؑ کی زوجہ صدیقہ طاہرہؑ اور آپؑ کے کچھ اصحابؓ نے خلافت کے سلسلے میں شیخین پر اعتراض کیا۔ رسول اکرم (ص) سے مروی روایات کے ذریعے ان کے خلاف دلائل پیش کئے، مہاجرین و انصار کو بھی اس سلسلے میں گواہ کے طور پر پیش کرتے رہے۔ مجملہ ان روایات کے حدیث غدیر کے ذریعے بھی احتجاج کیا گیا۔

مرحوم طبرسی نے کتاب "احتجاج" میں حضرت ابو بکر کے خلاف بارہ آدمیوں کے احتجاج کو نقل کیا ہے جنھوں نے حضرت ابو بکر کے سامنے آنحضرت (ص) کی نص صریح کو بیان کیا۔

مرحوم مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الانوار" میں ایک مکمل باب کو خلافت سے متعلق امیر المومنین (ع) کے احتجاج و دلائل سے مختص کیا ہے۔

پس اگر قرآن میں ان کی حکومت اور خلافت سے متعلق کوئی آیہ ہوتی جس میں انہوں نے تحریف کی ہوتی تو اس کا ذکر احتجاج کے طور پر ضرور کیا جانا چاہیے تھا بلکہ خلافت کے موضوع پر باقی دلیلوں کی نسبت ان آیات کو زیادہ اہمیت حاصل ہونی چاہیے تھی خصوصاً جبکہ خلافت کا معاملہ بقول ان کے جمع قرآن سے پہلے پیش آیا تھا۔

اس کے باوجود صحابہ کرام کی طرف سے ابتدائی خلافت سے لے کر حضرت علیؑ کی خلافت تک تحریف قرآن کا ذکر نہ آنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔

باقی رہا یہ احتمال کہ حضرت عثمان نے تحریف کی ہو، یہ پہلے سے بھی زیادہ بعید اور ضعیف ہے، کیونکہ :

۱. حضرت عثمان کے زمانے میں اسلام اتنا پھیل چکا تھا کہ حضرت عثمان قرآن میں سے کچھ کم کر ہی نہیں سکتے تھے اور نہ ہی وہ کم کر سکتا تھا جس کا مقام حضرت عثمان سے زیادہ بلند ہوتا۔

۲. اگر یہ تحریف ان آیات میں کی ہوتی جن کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں تھا تو اس تحریف کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور ان آیات میں بھی یقیناً تحریف نہیں ہو سکتی جن کا تعلق خلافت سے ہوتا. اس لئے اگر اس قسم کی کوئی آیہ ہوتی اور وہ حضرت عثمان کے زمانے تک مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہوتی تو خلافت ہی حضرت عثمان تک نہ پہنچتی۔

۳. اگر تحریف قرآن کے مرتکب حضرت عثمان ہوتے تو قاتلین حضرت عثمان کے لئے معقول عذر اور بہترین دلیل بنتی اور قاتلین کو یہ جواز پیش کرنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ حضرت عثمان نے بیت المال کے سلسلے میں سیرت شیخین کی مخالفت کی ہے یا اس کے علاوہ دوسرے احتجاجوں کی ضرورت نہ ہوتی.

۴. اگر حضرت عثمان نے تحریف کی ہوتی تو حضرت امیر المومنینؑ کو چاہیے تھا کہ حضرت عثمان کے بعد تحریف شدہ حصے دوبارہ قرآن میں شامل فرما دیتے، جس طرح قرآن رسول اکرم (ص) اور شیخین کے زمانے میں پڑھا جاتا تھا اور آپ (ع) کا یہ عمل قابل تنقید نہ ہوتا اور اپنے ہدف تک پہنچنے میں یہ زیادہ مؤثر ہوتا اور خون حضرت عثمان کے انتقام کے نام پر قیام کرنے والوں کے خلاف یہ مستحکم دلیل بنتا۔ اس کے علاوہ آپ (ع) کا یہ عمل اس اقدام سے بھی ہم آہنگ ہوتا جس کے ذریعے آپ (ع) نے حضرت عثمان کی عطا کردہ جاگیریں بیت المال میں لوٹانے کا حکم دیا تھا اس سلسلے میں آپؑ فرماتے ہیں :

" واللہ لو وجدتہ قد تزوج بہ النساء وملك بہ الاماء لرددتہ فان فی العدل سعة، ومن ضاق علیہ العدل فالجور علیہ اضیق "

" خدا کی قسم ! اگر مجھے کہیں ایسا مال بھی نظر آئے جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جا چکا ہو تو اسے بھی واپس پلٹا دوں گا کیونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں

تنگی محسوس ہو اسے ظلم کی شکل میں اور زیادہ تنگی محسوس ہو گی۔"

بیت المال کے بارے میں امیر المومنینؑ کا مؤقف یہ ہے۔ اب اہل انصاف خود بتائیں کہ اگر قرآن میں تحریف ہوئی ہوتی تو امیر المومنینؑ کا مؤقف کیا ہوتا۔

بنابر ایں امیر المومنینؑ کا موجودہ قرآن کی تائید کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے۔

البتہ بعض تحریفی حضرات کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی نے بنی امیہ کی مدد شروع کی تو قرآن سے ان آیات کو حذف کرادیا جو بنی امیہ کی مذمت میں نازل ہوئی تھیں اور ان کی جگہ ایسی آیات کا اضافہ کر دیا جو قرآن کا حصہ نہیں تھیں اس طرح جدید قرآنی نسخے مرتب کر کے مصر، شام، مکہ، مدینہ اور کوفہ وبصرہ بھجوادیئے اور آج کا موجودہ قرآن انہیں نسخوں کے مطابق ہے۔ باقی جتنے بھی قرآنی نسخے تھے وہ جمع کروادیئے گئے اور ایک نسخہ تک باقی نہ رہا یہ دعویٰ ہذیان اور مجذوب کی بڑ معلوم ہوتا ہے کیونکہ حجاج نبی امیہ کے والیوں میں سے ایک والی تھا، اس کی کیا جرأت تھی کہ قرآن میں تحریف کرنے کی جسارت کرتا بلکہ وہ فروع دین میں سے بھی کسی میں رَدّوبدل کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا، چہ جائیکہ وہ قرآن میں تحریف کا مرتکب ہوتا جو اساس دین اور سرچشمہ شریعت ہے۔ اسکی کیا قدرت اور مجال تھی کہ وہ سارے اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے قرآنوں کی طرف دست تجاوز دراز کرتا۔

اگر اس نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا تو مؤرخین نے اس عظیم المیہ کا ذکر کیوں نہیں کیا اور کیوں اسے اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا؟ حالانکہ اس غیر معمولی سانحہ کا تقاضا تھا کہ یہ تاریخ میں ثبت ہو جاتا. جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو حجاج کے زمانے میں کسی مسلمان نے اسے نقل کیا ہے اور نہ اس کے دور حکومت کے بعد کسی نے اس طرف اشارہ کیا ہے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمام مسلمانوں نے حجاج کے دور حکومت کے بعد بھی اس سنگین جرم سے چشم پوشی کی ہو۔

فرض کیجئے حجاج میں یہ قدرت تھی کہ وہ قرآن کے تمام نسخوں کو اکٹھا کرلے اور تمام اسلامی ممالک میں ایک نسخہ بھی باقی نہ رہنے دے. لیکن کیا مسلمانوں کے سینوں اور حافظانِ قرآن کے دلوں میں سے بھی وہ قرآن کو خارج کر سکتا تھا؟ جبکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ جسے خدا ہی جانتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر قرآن میں بنی امیہ کے خلاف کوئی آیت ہوتی تو حجاج سے پہلے معاویہ اسے قرآن سے خارج کرنے کی کوشش کرتا جس کی قدرت وطاقت حجاج سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اگر معاویہ اس جرم کا مرتکب ہوتا تو

اصحاب امیر المومنینؑ معاویہ کے خلاف جہاں دوسرے احتجاجات اور دلائل پیش کرتے تھے جو تاریخ، کتب حدیث اور علم کلام میں ثبت ہیں، وہاں تحریف قرآن کے مسئلے کو بھی اٹھاتے. حالانکہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ہمارے گذشتہ بیانات سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تحریف کا دعویٰ کرنے والے عقلی بدیہات کے مخالف اور منکر ہیں. ایک ضرب المثل مشہور ہے۔

" حدث الرجل بما لایلیق فان صدق فھولیس بعاقل ."

"کسی آدمی سے نامعقول بات کریں، اگر وہ اس کی تصدیق کرے تو سمجھ لیں کہ وہ عقلمند نہیں ہے."

قائلین تحریف کے شبہات

تحریف کے قائل حضرات جن شبہات اور غلط فہمیوں کا سہارا لیتے ہیں ان کا بھی ذکر کرنا اور جواب دینا ضروری ہے :

پہلا شبہ :

تورات اور انجیل میں یقیناً تحریف ہوئی ہے اور شیعہ و سنی روایات متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ گذشتہ اقوام میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں اس امت میں بھی ضرور واقع ہوں گے. چنانچہ شیخ صدوق اپنی کتاب "اکمال الدین" میں فرماتے ہیں کہ غیاث بن ابراھیم نے امام صادق(ع) سے اور آپ(ع) نے اپنے آباؤاجداد(ع) سے نقل فرمایاہے :

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کل ما کان فی الامم السالفة ، فانه یکون فی ھذہ الامة مثله حذو النعل بالنعل ، والقذة بالقذة"(۱)

پیغمبر اکرم(ص) نے فرمایا: جو کچھ گزشتہ امتوں میں واقع ہوا ہے، بعینہ مو بہ مو اس امت میں بھی واقع ہوگا."

اس حدیث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن میں تحریف ضرور واقع ہوئی ہوگی ورنہ اس حدیث کا معنیٰ صحیح نہ ہوگا.

جواب :

۱. ایسی روایات جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، سب کی سب خبر واحد ہیں جو باعث علم و عمل نہیں ہوسکتیں انکے متواتر ہونے کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور کتب اربعہ (اصول کافی، تھذیب، من لا یحضرہ الفقیه اور استبصار) میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے. اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تورات میں تحریف ہونے اور قرآن میں تحریف ہونے میں کوئی ملازمہ نہیں ہے(تورات میں تحریف ہوئی ہے تو ضروری نہیں کہ قرآن میں بھی تحریف ہو)۔

۲. اگر یہ دلیل درست ہو تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن میں اضافہ بھی ہوا ہو جس طرح تورات وانجیل میں اضافہ ہوا ہے اور اس کا بطلان واضح ہے۔

۳. گذشتہ امتوں میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جو اس امت میں رونما نہیں ہوئے. مثلاً بچھڑے کی پوجا کرنا، بنی اسرائیل کا چالیس سال سرگرداں رہنا، فرعون اور اس کے ساتھیوں کا غرق ہونا، حضرت سلیمان (ع) کا جن وانس پر حکومت کرنا، حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف لے جانا، حضرت موسیٰ (ع) کے وصی حضرت ہارون (ع) کا حضرت موسیٰ (ع) سے پہلے وفات پانا، حضرت موسیٰ (ع) سے نو معجزات رونما ہونا، بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ (ع) کی ولادت، گذشتہ اقوام میں سے بہت سی قوموں کا بندروں اور خنزیروں کی صورت میں مسخ ہونا اور اس قسم کے بیشمار واقعات ایسے ہیں جو گذشتہ اقوام میں تو واقع ہوئے ہیں لیکن اس امت میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ معصوم (ع) کی مراد وہ نہیں جو ظاہری طور پر روایات سے سمجھی جاتی ہیں۔ لامحالہ ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ بعض باتوں میں اس امت کو گذشتہ امتوں سے تشبیہ دی گئی ہے، ہر واقعہ میں نہیں۔

بنابر ایں اگرچہ قرآن کا کوئی حصہ کم نہیں کیا گیا لیکن قرآن کے حروف اور الفاظ برقرار رکھتے ہوئے اس کے احکام اور حدود کی پیروی نہ کرنے پر بھی تحریف صادق آتی ہے. چنانچہ اس بحث کے آغاز میں مذکورہ روایت کا مفہوم بھی یہی تھا. اس کی تائید و تاکید ابو واقد لیثی کی روایت سے بھی ہوتی ہے. وہ فرماتے ہیں:

"خیبر کی طرف جاتے ہوئے رسول اکرمؐ مشرکین کے ایک درخت کے قریب سے گزرے جو "ذات انواط" کہلاتا تھا، مشرکین اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے، اصحاب پیغمبر (ص) نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ص) جسطرح مشرکین کے پاس "ذات انواط" ہے ہمارے لئے بھی ایک "ذات انواط" کا بندوبست فرمائیں. آپ (ص) نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ اسی طرح ہے جیسے حضرت موسیٰ (ع) کی قوم نے کہا تھا کہ آپ (ع) ہمارے لئے بھی بہت سے خداؤں کا انتظام کریں جس طرح ان کے کئی خدا ہیں. قسم خدا! تم بھی گذشتہ اقوام کی سنت پر عمل کرو گے۔" (۲)

یہ روایات تصریح کرتی ہیں کہ اس امت میں رونما ہونے والے واقعات بعض جہات سے گذشتہ اقوام کے واقعات سے مشابہت رکھتے ہیں، ہر لحاظ سے نہیں۔

۴. اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایات سند کے اعتبار سے متواتر ہیں اور ان کا معنی بھی وہی ہے جیسا

کہ تحریف کے قائل حضرات کہتے ہیں، پھر بھی ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گذشتہ زمانے میں قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے آئندہ زمانے میں قرآن میں کوئی کمی بیشی ہونے والی ہو۔ کیوں کہ بخاری کی روایت کے مطابق قیامت تک اس امت کے واقعات گذشتہ امتوں کے واقعات کی مانند رونما ہوتے رہیں گے۔

بنابر ایں ان روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صدر اسلام یا خلفاء کے دور میں قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔

حواشی

۱۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۴

۲۔ صحیح ترمزی ج ۹، ص ۲۶

☆ ☆ ☆

وفائی عہد

خدا کے پیارے نبی حضرت اسمٰعیلؑ کا کسی شخص کے پاس سے گزر ہوا۔ اس شخص نے پیامبر خدا سے اسکا راستے میں انتظار کرنے کی التجا کی۔ حضرت نے دو دن تک مقرر مقام پر اس کا انتظار کیا۔ دو دن بعد جب وہ شخص آیا تو حضرت کے قدموں میں گر کر کہنے لگا "اے خدا کے پیارے نبی! جب میں نہیں آیا تو دو دن تک آپؑ نے میرا انتظار کیوں کیا؟ آپؑ تشریف لے جاتے" ذبیح اللہ نے جواب میں فرمایا "میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا، تو پھر کسطرح اپنے وعدے کی پاسداری نہ کرتا۔ اس لیے تو قرآن کریم میں کائنات کے خالق کا فرمان ہے

" وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا "

(مریم۔ ۵۴)

"اور (اے رسول) قرآن میں اسمٰعیل کا تذکرہ کرو، اس میں شک نہیں کہ وہ وعدے کے سچے تھے، اور بھیجے ہوئے پیغمبر تھے"۔